ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL

Vol.8. No.2.2025

ادب، تہذیب اور شعور: پاکستانی اردو افسانے کا سماجی و تنقیدی جائزہ

LITERATURE, CULTURE, AND CONSCIOUSNESS: A SOCIO-CRITICAL STUDY OF THE PAKISTANI URDU SHORT STORY

ڈاکٹر اسد محمود خان
ایسوسی ایٹ پروفیسر، صدر شعبہ اردو / انٹرنیشنل ریلیشنز
منہاج یونیورسٹی، لاہور
Email: assadphdir@gmail.com

Abstract:

This study explores the intricate relationship between literature, culture, and social consciousness as reflected in the Pakistani Urdu short story. Language and literature serve not only as tools of artistic expression but also as vehicles for shaping and reflecting cultural identity. The short story, as a literary form, captures the emotional and psychological depth of individual and collective experiences, embedded within a structured socio-cultural context. Through dialect, symbolism, and narrative style, Urdu fiction becomes a lens through which the evolving identity of Pakistani society is examined. This paper investigates how selected Pakistani Urdu short stories articulate cultural and civilizational awareness, unraveling layers of social and cultural consciousness. By analyzing these narratives critically, the research offers insights into the role of fiction in expressing, shaping, and preserving cultural identity in a transforming society.

Key Words: Literature, Culture, Consciousness, Civilization, Cultural Identity, Urdu Short Story, Fiction, Expression

(مُلَخَّص)

یہ تحقیقی مطالعہ پاکستانی اردو افسانے میں تہذیبی شناخت، سماجی شعور اور تمدنی اقدار کے اظہار اور تشکیل کا تنقیدی جائزہ پیش کرتا ہے۔ ادب معاشرے کا نہ صرف عکس ہوتا ہے بلکہ یہ تہذیبی اور فکری شعور کی تشکیل میں بھی کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ پاکستانی سیاق وسباق میں اردو افسانہ ایک موثر ادبی صنف ہے جو معاشرتی حقائق، اجتماعی یادداشت اور بدلتے ہوئے ثقافتی روّیوں کو نہایت باریکی سے پیش کرتا ہے۔ یہ مطالعہ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ کس طرح اردو افسانہ زبان، علامت اور جذباتی گہرائی کے ذریعے تہذیبی و سماجی شعور کی نمائندگی کرتا ہے۔ منتخب افسانوں کی مدد سے یہ تحقیق ظاہر کرتی ہے کہ ادب نہ صرف معاشرتی حالات کا ردعمل ہوتا ہے بلکہ تہذیبی اور قومی شناخت کی تعمیر میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔

کلیدی الفاظ: ادب، تہذیب، شعور، تمدن، ثقافتی شناخت، اردو افسانہ، اظہار، فکشن

(1)

تہذیب ایک پیچیدہ اور جامع عمل ہے جو انسانوں کے سماجی، ثقافتی، اور مادی ترقی کی عکاسی کرتا ہے۔ اس میں نہ صرف فرد کی اخلاقی و فکری سطح پر ترقی شامل ہے بلکہ اجتماعی زندگی کی تنظیم، معاشرتی رویّے، اور ثقافتی قدروں کا بھی اہم کردار ہے۔ تہذیب کا مفہوم کسی خاص معاشرت یا ملک کی انفرادیت اور شناخت سے جڑا ہوتا ہے، جہاں لوگ اپنی زبان، رسم و رواج، فنونِ لطیفہ، اور زندگی کے مختلف پہلوؤں میں اعلیٰ معیار کو اپناتے ہیں۔ تہذیب دراصل وہ اجتماعی ساخت ہے جس کے ذریعے افراد اپنے معاشرتی تعلقات، فکری مباحث، اور اخلاقی اصولوں کو استوار کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا نظام ہوتا ہے جس میں انسان اپنی زندگی کو بہتر بنانے کی کوشش کرتا ہے، چاہے وہ مادی ترقی ہو یا فکری و اخلاقی بہتری۔ اس طرح تہذیب انسانوں کی اجتماعی شناخت کا عکاس بنتی ہے اور ادب اس کی بنیادی ترجمانی کرتا ہے۔ ادب میں تہذیب کی موجودگی کے بغیر کوئی معاشرتی یا ثقافتی ترقی مکمل نہیں ہو سکتی، کیونکہ ادب ہی وہ آئینہ ہے جو تہذیبی اقدار کی عکاسی کرتا ہے۔ تہذیب کی بنیاد میں انسانوں کا وہ عمل موجود ہوتا ہے جس کے ذریعے وہ اپنی اخلاقی، ثقافتی، اور مادی ترقی کے لیے اصول مرتب کرتے ہیں۔ جب ہم تہذیب کی بات کرتے ہیں، تو اس کا مقصد صرف کسی خاص رسم و رواج یا تقالید کا مظاہرہ نہیں ہوتا، بلکہ یہ ایک ایسا نظام ہوتا ہے جو انسانوں کے فکری، سماجی، اور اخلاقی رویّوں کو یکجا کرتا ہے۔ تہذیب کا حقیقی مطلب اس وقت واضح ہوتا ہے جب کوئی معاشرہ اپنی داخلی تنظیم، اخلاقیات، اور ثقافتی شناخت کو بہتر بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس میں انسانوں کی اجتماعی زندگی کے مختلف پہلوؤں جیسے اخلاقی قوانین، فنون، تہذیبی فنون، اور معاشرتی ہم آہنگی کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ تہذیب انسانوں کے اندر ایک ایسا شعور پیدا کرتی ہے جس کے ذریعے وہ اپنے سماجی تعلقات، معاشرتی قواعد و ضوابط، اور ثقافتی روایات کو بہتر طور پر سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی معاشرت نے تہذیبی سطح پر اپنی پہچان بنائی، تو وہ نہ صرف اپنے اندر کی فکری و ثقافتی ترقی کو دیکھتا ہے بلکہ عالمی سطح پر بھی اپنی شناخت قائم کرتا ہے۔

ڈاکٹر جمیل جالبی (1) نے اپنی تحریروں میں تہذیب کے پیچیدہ اور جامع عمل کو یوں بیان کیا ہے:

> "تہذیب صرف ایک سطحی یا ظاہری عمل نہیں ہے، بلکہ یہ ایک گہرا اور وسیع تر عمل ہے جو انسانوں کی فکری، ثقافتی اور مادی ترقی کو یکجا کرتا ہے۔ یہ وہ عمل ہے جس میں معاشرہ اپنے اندر اخلاقی، سماجی، اور ثقافتی قدروں کو نہ صرف اپناتا ہے بلکہ ان کی تعمیر اور ترقی بھی کرتا ہے۔ تہذیب ایک ایسا وسیع دائرہ ہے جس میں انسان اپنی زندگی کو بہتر بنانے کی کوشش کرتا ہے اور اس کی بنیاد پر معاشرتی ہم آہنگی اور ترقی کی منزلیں طے کرتا ہے۔"

ٹی ایس ایلیٹ (2) نے تہذیب کی حقیقت کو یوں بیان کیا ہے:

> "تہذیب صرف ایک مادی دولت کا مجموعہ نہیں ہے، بلکہ یہ ایک پیچیدہ اور متحرک عمل ہے جو ایک معاشرے کی سماجی، ثقافتی اور ذہنی ترقی کو عیاں کرتا ہے۔ تہذیب کے حقیقی معنی اس وقت ظاہر ہوتے ہیں جب انسان اپنی اجتماعی زندگی میں اخلاقی، فکری اور ثقافتی ترقی کے لیے ایک متوازن اور ہم آہنگ نظام تشکیل دیتے ہیں۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جو ایک معاشرے کے ارتقاء، اس کی ترقی، اور اس کے اندر موجود اقدار کو روشن کرتا ہے۔"

ادب اور تہذیب کا آپس میں گہرا تعلق ہے کیونکہ ادب وہ آلہ ہے جو تہذیبی اقدار کو فرد اور معاشرتی سطح پر منتقل کرتا ہے۔ ادب کسی بھی معاشرت کی سماجی حقیقتوں، اخلاقی اصولوں اور ثقافتی تصورات کا عکاس ہوتا ہے۔ ادب کے ذریعے تہذیبی اقدار اور معاشرتی رویّوں کو نہ صرف بیان کیا جاتا ہے بلکہ ان میں تبدیلیاں بھی لائی جاتی ہیں۔ جب ہم اردو افسانے کی مثال لیتے ہیں، تو یہ ہمیں کسی خاص ثقافتی پس منظر میں

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

معاشرتی تبدیلیوں، رسم و رواج، اور اخلاقی اقدار کی تفصیل سے آگاہ کرتا ہے۔ اردو افسانہ خاص طور پر پاکستانی معاشرت کی ثقافتی، سماجی، اور سیاسی حقیقتوں کا اظہار کرتا ہے، جس کے ذریعے معاشرتی اور تہذیبی مسائل پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ ادب، تہذیب کی فکری بنیادوں پر استوار ہوتا ہے اور اس کے ذریعے سماج میں موجود فکری و ثقافتی تحولات کو پیش کیا جاتا ہے۔ اردو افسانہ ان عناصر کو بیان کرتا ہے جو معاشرتی شعور کی ترقی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں اور اس کے ذریعے تہذیبی تشخص کا اظہار کیا جاتا ہے۔

چارلس گرے (3) نے کہا تھا:

> "ادب نہ صرف تہذیب کے اظہار کا ذریعہ ہوتا ہے، بلکہ اس کے ذریعے ہم معاشرتی رویّوں، اخلاقی اصولوں اور فکری ارتقاء کو سمجھنے میں مدد پاتے ہیں۔ اس طرح ادب اور تہذیب ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں، ان کے بغیر معاشرتی ترقی کی تکمیل ممکن نہیں۔"

تہذیب کا ہر دور اپنے اندر مختلف ترقیاتی مراحل رکھتا ہے۔ جب کوئی معاشرہ اپنے اندر اخلاقی، فکری، اور مادی سطح پر ترقی کرتا ہے، تو وہ تہذیب کے اس اعلیٰ مقام تک پہنچتا ہے جہاں اس کی پہچان عالمی سطح پر قائم ہو جاتی ہے۔ یہ ترقی نہ صرف معاشرتی ڈھانچے میں تبدیلیاں لاتی ہے بلکہ لوگوں کے خیالات، عقائد، اور رویّوں میں بھی تبدیلی پیدا کرتی ہے۔ اردو افسانہ، اس ترقی کے مشاہدے کا اہم ذریعہ بنتا ہے، کیونکہ یہ نہ صرف ماضی کی تہذیبی حالت کو بیان کرتا ہے بلکہ اس میں موجود تضادات، چیلنجز اور کامیابیاں بھی پیش کرتا ہے۔ اردو افسانے میں معاشرتی حقیقتوں کی عکاسی کی جاتی ہے اور اس کے ذریعے ہم مختلف سماجی مسائل، ثقافتی تحولات، اور فکری جمود کا تجزیہ کرتے ہیں۔ اردو ادب کی یہ خصوصیت اسے تہذیبی شعور کا ایک مضبوط ذریعہ بناتی ہے۔ افسانہ نگار اپنے کام کے ذریعے نہ صرف تہذیبی اقدار کو پیش کرتے ہیں بلکہ ان میں موجود اخلاقی اور سماجی مسائل پر بھی روشنی ڈالتے ہیں، جو معاشرتی شعور کی ترقی کے لیے ضروری ہیں۔

ادب میں تہذیبی اقدار کا کردار اہمیت رکھتا ہے کیونکہ ادب کے ذریعے معاشرتی، اخلاقی، اور ثقافتی تصورات کو فرد اور معاشرتی سطح پر پروان چڑھایا جاتا ہے۔ جب ادب میں تہذیبی اقدار کی نمائندگی کی جاتی ہے، تو وہ نہ صرف معاشرتی حقیقتوں کا بیان ہوتا ہے بلکہ ان میں موجود اخلاقی و سماجی مسائل کو اجاگر کرنے کا ایک ذریعہ بھی بنتا ہے۔ اردو افسانے میں تہذیبی اقدار کی عکاسی اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ معاشرتی سطح پر انسان کس طرح اپنے اصولوں، روایات، اور ثقافتی تشخص کو محفوظ رکھتا ہے۔ یہ ادب کا وہ حصہ ہے جو انسانوں کی فطری اور سماجی ضروریات کو ظاہر کرتا ہے اور ان میں موجود تنازعات و مسائل کو بہتر طریقے سے سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ ادب کے ذریعے تہذیبی اقدار کو بیان کرتے وقت، ہمیں ان تبدیلیوں اور چیلنجز کا سامنا ہوتا ہے جو کسی بھی معاشرتی تبدیلی کے دوران سامنے آتے ہیں۔

تہذیب کا تفہیمی معاملہ سلجھانے کے لیے ڈاکٹر وزیر آغا (4) نے کہا تھا:

> "کلچر میں نئی قدروں کا عوامی سطح پر قبول کرنا، تہذیب کے عمل کا حصہ ہے، جہاں کلچر کی سطح میں تحریک، جوش اور ترقی ہوتی ہے، جبکہ تہذیب کی سطح پر ان قدروں کا پھیلاؤ، قبولیت اور ان کا نقل کرنا ہوتا ہے۔"

تہذیب، دراصل معاشرتی اقدار، رسم و رواج، اخلاقی اصول اور ثقافتی شناخت کا مجموعہ ہوتی ہے، جس کا مقصد انسانوں کو ایک بہتر، مربوط اور ہم آہنگ معاشرتی زندگی گزارنے کی راہ دکھانا ہے۔ ادب، تہذیب کا پہلا زینہ ہے کیونکہ یہ معاشرتی زندگی کے تمام پہلوؤں کو بیان کرنے کا سب سے مؤثر طریقہ ہے۔ ادب انسانوں کی داخلی دنیا، خیالات، جذبات، احساسات اور تجربات کا عکاس ہوتا ہے، اور یہ انسانوں کو تہذیبی اقدار کے قریب لاتا ہے۔ ادب کے ذریعے انسان اپنی تہذیبی شناخت کو سمجھتا ہے، اپنے ماضی سے جڑتا ہے اور اپنے مستقبل کے لیے راہیں ہموار کرتا

ہے۔ دوسری جانب، ادب تہذیب کا قرینہ بھی ہوتا ہے، کیونکہ یہ تہذیب کی اصل روح کو اپنی تحریروں میں منتقل کرتا ہے۔ جب تہذیب میں کوئی تبدیلی آتی ہے، تو ادب اس کی عکاسی کرتا ہے اور اس نئے ماحول میں انسانوں کے رویوں، سوچوں اور احساسات کو اجاگر کرتا ہے۔ ادب کے ذریعے ہی تہذیبی اقدار اور اخلاقی اصولوں کا جواز فراہم کیا جاتا ہے اور ان کی اہمیت کو معاشرتی سطح پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ جب ادب میں کوئی نئی تخلیق ہوتی ہے، تو وہ نہ صرف تہذیب کی موجودہ صورت کو چیلنج کرتی ہے بلکہ نئی اقدار اور معیارات بھی قائم کرتی ہے۔ یوں، ادب اور تہذیب کا آپس میں تعلق ایک دائرے کی مانند ہے، جہاں ایک کی تبدیلی دوسرے کی صورت گری کرتی ہے۔ ادب تہذیب کا آئینہ ہوتا ہے، جو اس کی حقیقت کو معاشرتی سطح پر دکھاتا ہے، اور تہذیب ادب کو زندگی دیتی ہے تاکہ وہ انسانوں کو بہتر انسان بننے کی راہ دکھا سکے۔ اس لحاظ سے، ادب نہ صرف تہذیب کا پہلا زینہ ہے بلکہ اس کا قرینہ بھی ہے، جو معاشرتی زندگی کے ہر پہلو کو بہتر بنانے میں مدد فراہم کرتا ہے۔

(2)

تہذیبی شعور اور تخلیقی ادب کا آپس میں گہرا تعلق ہے، جو کسی بھی قوم کے تہذیبی تشخص کو تشکیل دینے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ جب ہم تخلیقی ادب کی بات کرتے ہیں، تو ہم صرف کہانیاں، شاعری یا نثر کو نہیں دیکھتے بلکہ ان ادب کے ذریعے معاشرتی اقدار، ثقافت، روایات اور اخلاقی اصولوں کی عکاسی کرتے ہیں جو کسی قوم کی تہذیب کی جڑوں کو مضبوط بناتی ہیں۔ تخلیقی ادب دراصل تہذیبی شعور کا آئینہ دار ہوتا ہے، جو اس وقت کے فکری، ثقافتی اور سماجی حالات کو بیان کرتا ہے اور ان میں موجود تضادات، چیلنجز اور ترقی کے عمل کو پیش کرتا ہے۔ تہذیبی تشخص کی تلاش اور تشکیل ایک مسلسل عمل ہے، جس میں ادب ایک اہم محرک کا کردار ادا کرتا ہے۔ جب تخلیقی ادب تہذیبی شعور سے جڑتا ہے، تو یہ ایک قوم کے ماضی کو موجودہ دور کے تناظر میں پیش کرتا ہے، اور اس کے ذریعے نئی شناخت کی تلاش کی جاتی ہے۔ ادب نہ صرف تہذیبی اقدار کو بیان کرتا ہے، بلکہ ان اقدار کو ایک نئے زاویے سے سمجھنے اور ان پر غور کرنے کی دعوت بھی دیتا ہے۔ اس کے ذریعے قومیں اپنی ثقافتی جڑوں کو مضبوط کرتی ہیں اور اپنے تہذیبی ورثے کو جدید دور کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتی ہیں۔ جب تخلیقی ادب تہذیبی شعور کے ساتھ ہم آہنگ ہوتا ہے، تو یہ معاشرتی تبدیلیوں کی عکاسی کرتا ہے اور نئے فکری افق کو کھولتا ہے۔ اس عمل میں ادب نہ صرف تہذیب کی موجودہ صورت کو محفوظ رکھتا ہے بلکہ اس میں اصلاحات اور جدت بھی پیدا کرتا ہے۔ ادب، تہذیب کے اندر موجود مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے، چاہے وہ اخلاقی اقدار ہوں یا معاشرتی تبدیلیاں، اور ان تمام پہلوؤں کو معاشرتی سطح پر تسلیم کراتا ہے۔ اس طرح ادب کی تخلیق تہذیبی تشخص کے استحکام کے لیے ایک مضبوط ستون بن جاتی ہے۔ یقیناً، تخلیقی ادب کے ذریعے تہذیبی شعور کا اظہار ایک قوم کے تہذیبی تشخص کی تلاش اور تشکیل میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ ادب تہذیب کی صورت گری میں اہم کردار ادا کرتا ہے، اور جب دونوں کا تعلق مضبوط ہوتا ہے، تو یہ کسی بھی قوم کے تشخص کو ایک نئی جہت دینے کے لیے اہم ثابت ہوتا ہے۔ ادب، تہذیب کا پہلا زینہ ہے جو ثقافت کی گہرائی میں جا کر اسے انسانی تجربات کے رنگ میں ڈھالتا ہے اور اس کے ذریعے تہذیبی تشخص کو نیا رخ دیتا ہے۔

رشید حسن خان(5) اپنی شہرہ آفاق تصنیف "گزشتہ لکھنو" کے مقدمے میں بڑی بصیرت اور گہرائی کے ساتھ لکھتے ہیں:

"تہذیب ایک ایسا عمل ہے جو وقت کی طوالت اور قدرتی آمیختگی کا محتاج ہوتا ہے۔ یہاں ضوابط فوراً نہیں بنتے، بلکہ بے شمار قدرتی عناصر ایک دوسرے سے جڑ کر نئی صورتیں تخلیق کرتے ہیں۔ جیسے اچھا ادب صرف مہارت سے نہیں بنتا، ویسے ہی تہذیبی سطح پر بھی جب کوئی طبقہ اپنی مرضی کے مطابق تبدیلی لانے کی

کوشش کرتا ہے، تو وہ دیرپا ثابت نہیں ہوتی۔ ایسی کوششیں جلدی میں چمکدار تو ہوتی ہیں، مگر ان میں استحکام کی کمی ہوتی ہے۔"

فکر و خیال اور شعور کی باہمی جڑت دراصل تخلیقی ادب اور تہذیبی شعور کی جڑت ہے۔ جدید ادبی نظریات میں "مارکسیت نظریہ "مادی حالات کے تسلسل میں عمل کو تخلیق اور تخلیقی شعور کی اصل حقیقت قرار دیتا ہے۔ اس کے مطابق فرد، معاشرہ اور تہذیب کی شعوری لہر بھی مادیت کے تسلسل کا لازمی حصہ ہوتی ہے، جس میں تمام مادی اور سماجی عوامل ایک دوسرے کے ساتھ جڑ کر تہذیبی شناخت اور تخلیقی قوت کو فروغ دیتے ہیں۔

ڈاکٹر جرالڈ وُڈرُف (6) اپنی کتاب "سمپلی گاڈ" میں فکر و خیال اور شعور کو مادی عمل کا نتیجہ قرار دیتے ہیں، اور یہ بیان کرتا ہے:

"دماغ اور شعور دراصل مادی عمل کے ضمنی نتائج ہیں" کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا ذہن اور شعور جسمانی عملوں کی پیداوار ہیں، جو دماغ کی کیمیائی اور برقی سرگرمیوں سے جنم لیتے ہیں۔ شعور کا تمام تر ارتقاء مادی دنیا کے تجربات اور حالات کے تحت ہوتا ہے۔ اس کے مطابق، انسان کا ذہن محض مادی عوامل کا نتیجہ ہے جو اس کے خیالات اور جذبات کو تشکیل دیتے ہیں"

معاشرہ و معاشرت اور تہذیب و ثقافت کا مرکز و محور ادب ہوتا ہے کیونکہ ادب ایک ایسا وسیلہ ہے جس کے ذریعے ایک قوم یا معاشرتی گروہ کی تمام تر ثقافتی، اخلاقی اور سماجی اقدار کا اظہار ہوتا ہے۔ ادب وہ آئینہ ہے جس میں قوم کی تاریخ، روایات، مشکلات، کامیابیاں اور ذاتی تجربات ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ نہ صرف معاشرتی رواجوں اور زندگی کے روزمرہ تجربات کی عکاسی کرتا ہے، بلکہ اس کے ذریعے افراد اپنے داخلی جذبات، خیالات اور رویوں کو بھی بیان کرتے ہیں، جو معاشرت میں اہم تبدیلیوں کی عکاسی کرتے ہیں۔ ادب معاشرتی اصلاحات، تہذیبی ارتقاء اور فرد کی فکری آزادی کی بنیاد ہے۔ جب بھی کسی معاشرے میں تبدیلی آتی ہے، ادب اس کا پہلا شکار بن کر اس کی عکاسی کرتا ہے اور اس کی گہرائی تک پہنچتا ہے۔ اس کی تخلیق میں مختلف سماجی، ثقافتی اور تاریخی عوامل کا اثر ہوتا ہے جو ادب کو مزید جاندار بناتے ہیں اور اس کے ذریعے معاشرتی تبدیلیوں کو سمجھا جا سکتا ہے۔

ثقافت اور تہذیب کے ارتقاء میں ادب کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ یہ وہ پلیٹ فارم فراہم کرتا ہے جہاں لوگ اپنے خیالات اور تجربات کو تخلیقی انداز میں پیش کرتے ہیں۔ ادب نہ صرف ماضی کی یادیں اور تجربات کو زندہ رکھتا ہے بلکہ اس کے ذریعے معاشرتی مسائل پر بھی بحث ہوتی ہے۔ یہ عوامی شعور کی بیداری میں مددگار ثابت ہوتا ہے اور نئے نظریات و خیالات کو فروغ دیتا ہے۔ تہذیب کا اظہار ادب میں ہوتا ہے کیونکہ ادب معاشرتی اصولوں، اخلاقی قدروں اور فرد کے درمیان تعلقات کی تفسیر کرتا ہے۔ ادب کے ذریعے معاشرتی تعلقات، ثقافتی شناخت اور تہذیبی روایات کی بقا اور ترقی کا عمل جاری رہتا ہے، جو کہ کسی بھی قوم کے وجود کا حصہ ہوتا ہے۔ اس لیے ادب کا مرکز و محور ہونا اس بات کا اشارہ ہے کہ معاشرت اور تہذیب کا استحکام اور ترقی ادب کے بغیر ممکن نہیں۔

ڈاکٹر جمیل جالبی (7) ادب کو اظہاریے کی ایسی صورت قرار دیتے ہیں جو شعور و آگہی کے حصول میں پہلی سیڑھی کا درجہ رکھتی ہے:

"ادب وہ اظہار یہ ہے جو زندگی کے شعور و ادراک کو بیدار کرتا ہے اور انسان کے تخیلی تجربات کو ابھارتا ہے۔ ادب میں ایسی زبردست قوت ہوتی ہے کہ پڑھنے والا اس تجربے کا ادراک کر لیتا ہے اور اس کی روح میں چھپی صلاحیتیں بیدار ہو جاتی ہیں۔ ادب کے ذریعے ہی ہم زندگی کا گہرا شعور حاصل کرتے ہیں، اور یہی اس کا خاص منصب ہے۔"

تہذیبی شعور اور تخلیقی ادب کے درمیان گہرا تعلق ہے جو نہ صرف ادب کی تکمیل کو بہتر بناتا ہے بلکہ تہذیب کی تشکیلیت کے عمل میں بھی معاون ثابت ہوتا ہے۔ جب تخلیقی ادب میں تہذیبی اقدار کی جھلکیاں ملتی ہیں، تو وہ نہ صرف قوم کی ثقافت کو محفوظ رکھتا ہے بلکہ اس میں نئی بصیرت بھی پیدا کرتا ہے۔ ادب کے ذریعے تہذیبی ورثے کو زندہ رکھنا اور اسے آنے والی نسلوں تک منتقل کرنا ایک اہم مقصد ہے۔ تخلیقی فکر، جو انسانی تجربات اور جذبات کی گہرائیوں کو بیان کرتی ہے، تہذیبی شعور کو اجاگر کرنے کے لیے اہم ہے، کیونکہ یہ ان اقدار اور روایات کی عکاسی کرتی ہے جو ایک قوم کی شناخت کو مضبوط کرتی ہیں۔ یہ دونوں عناصر ایک دوسرے کے لیے ضروری ہیں، کیونکہ تہذیبی شعور کے بغیر تخلیقی ادب اپنی اصل اور مقصد کو کھو سکتا ہے، اور تخلیقی ادب کے بغیر تہذیب صرف ایک ساکت اور بے رنگ شکل میں رہ جاتی ہے۔ یوں تخلیقی فکر اور تہذیبی شعور کا باہمی تعلق ایک ایسا عمل ہے جو معاشرتی اور ثقافتی ارتقاء میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ تخلیقی فکر و شعور اور تہذیبی فکر و شعور کا تعلق صرف معاشرتی سطح پر نہیں بلکہ فرد کی ذاتی ترقی پر بھی گہرا اثر ڈالتا ہے۔ جب فرد کے اندر تخلیقی صلاحیتیں بیدار ہوتی ہیں، تو وہ اپنے معاشرتی کردار اور ثقافتی شناخت کو بہتر طریقے سے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ تخلیقی صلاحیتیں فرد کو نہ صرف خودی کا شعور دیتی ہیں بلکہ وہ اپنی قوم اور تہذیب سے وابستگی کو بھی محسوس کرتا ہے۔ تہذیبی فکر فرد کی سوچ کو ایک خاص دائرے میں محدود نہیں کرتی بلکہ اسے وسیع کرتی ہے اور اس کے تخلیقی عمل کو نئے زاویوں سے دیکھنے کی صلاحیت فراہم کرتی ہے۔ اسی طرح، تخلیقی ادب تہذیب کی حدود کو بھی پھیلانے کی صلاحیت رکھتا ہے، کیونکہ وہ نئے تصورات، خیالات اور تخیلات کو معاشرتی سطح پر متعارف کراتا ہے۔ جب فرد تخلیقی ادب سے متاثر ہوتا ہے تو وہ اپنی تہذیبی جڑوں سے جڑنے کے ساتھ ساتھ ان جڑوں کو نئی زندگی دینے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طرح تخلیقی فکر و شعور اور تہذیبی فکر و شعور کا باہمی رشتہ فرد اور معاشرت کی ترقی کا ذریعہ بنتا ہے۔

(3)

پاکستانی اردو افسانے کی تاریخ میں تہذیبی تشخص کی عکاسی ایک اہم پہلو رہی ہے، جو اس ادب کو دیگر عالمی ادب سے ممتاز کرتی ہے۔ اردو افسانہ نہ صرف سماجی و سیاسی حالات کا آئینہ دار ہے، بلکہ اس میں انسانیت کی جڑوں سے جڑے ہوئے ان مسائل کا گہرا تجزیہ بھی کیا گیا ہے جو قومی تشخص اور تہذیبی اقدار کے تحفظ میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ افسانہ نگاروں نے ہر دور کی سیاسی، سماجی، اور ثقافتی تبدیلیوں کو اپنی تخلیقات میں شامل کیا ہے، تاکہ اس کے ذریعے قوموں اور معاشروں کی تہذیبی شناخت کا اظہار کیا جا سکے۔ افسانے میں تہذیبی تشخص کا اظہار محض ایک تخلیقی عمل نہیں ہے بلکہ یہ معاشرتی رویوں، اخلاقی اقدار اور ثقافتی ورثے کی جڑوں کو تلاش کرنے کا عمل ہے، جس کے ذریعے ادب کی تخلیق کا مقصد قوم کی ثقافتی ترقی اور فلاح ہوتا ہے۔ پاکستانی اردو افسانے کی تخلیق میں تہذیبی تشخص کی تلاش ایک مسلسل عمل ہے، جو ہر نئے دور کے ساتھ نئی شکلیں اختیار کرتا رہا ہے۔ تقسیم ہندوستان کے بعد جب لاکھوں افراد ہجرت کر کے پاکستان آئے، تو اس موقع پر اردو افسانہ میں ہجرت کی دردناک حقیقتوں اور اس کے اثرات کو اجاگر کیا گیا۔ ان کہانیوں میں نہ صرف پاکستان کے ابتدائی دنوں کی سوشل اور ثقافتی تبدیلیوں کا تذکرہ کیا گیا بلکہ ان میں ہجرت کے انسانی تجربات اور مشکلات کو بھی حقیقت کے قریب سے بیان کیا گیا۔ اس دوران اردو افسانہ نگاروں نے اپنے افسانوں کے ذریعے تہذیبی فرق، سماجی طبقاتی فرق اور ثقافتی تبدیلیوں کو بھی دکھایا، جو ایک نیا سماجی ڈھانچہ تشکیل دے رہے تھے۔ یہ افسانے نہ صرف ایک ماضی کی یاد دلانے والے تھے بلکہ انہوں نے ایک نئی تہذیبی پہچان کی جانب اشارہ کیا، جو پاکستان کی بنیاد تھی۔

پاکستانی اردو افسانے کی تخلیق میں ان سماجی و تہذیبی تجربات کا انعکاس اس قدر گہرا تھا کہ یہ ادب کا ایک مضبوط ستون بن گیا۔ ان کہانیوں میں نہ صرف ماضی کی روایات کا تذکرہ کیا گیا بلکہ معاشرتی اور سیاسی تبدیلیوں کا بھی تجزیہ کیا گیا، جو اس دور کے پاکستانی معاشرتی ڈھانچے کی عکاسی کرتا تھا۔ اس حوالے سے اردو افسانے نے عالمی ادب میں ایک خاص مقام حاصل کیا، کیونکہ اس نے نہ صرف مقامی معاشرتی مسائل کو اجاگر کیا بلکہ ان کے ذریعے عالمی سطح پر بھی تہذیبی تشخص کو اجاگر کیا۔ یہ افسانے صرف داستانوں تک محدود نہیں تھے، بلکہ ان کے ذریعے پاکستانی معاشرت کی حقیقتیں، اس کے چیلنجز اور اس کے معیاری اخلاقی اور ثقافتی اصولوں کو سمجھا جا سکتا تھا۔ پاکستانی اردو افسانہ نہ صرف ادبی فن کے طور پر اہم ہے، بلکہ اس نے معاشرتی شعور اور تہذیبی تشخص کو اجاگر کرنے میں بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس ادب میں دکھائے گئے انسانی تجربات اور فکری تنقید نے نہ صرف مقامی سطح پر، بلکہ عالمی سطح پر بھی تہذیبی تشخص کی تلاش اور اس کی تشکیل میں معاونت کی۔ اس تحقیقاتی مضمون میں ہم ان افسانوں کا تجزیہ کریں گے جن میں پاکستانی تہذیبی تشکیل اور اظہاریے کی تلاش کی گئی ہے، اور ان کا ادبی لحاظ سے کیا مقام ہے، اس پر روشنی ڈالیں گے۔ اس مضمون کا مقصد یہ ہے کہ ہم دیکھیں کہ کس طرح اردو افسانہ پاکستانی معاشرتی اور ثقافتی مسائل کو بیان کرتا ہے، اور اس کے ذریعے تہذیبی تشخص کی تلاش اور تشکیل کا عمل کتنا اہم ہے۔

پیسیون(8) نے کہا تھا:

> " افسانہ، خاص طور پر مختصر کہانیاں، انسانی تجربے کی ایک کھڑکی ہیں، جہاں ثقافت صرف پس منظر نہیں بلکہ ایک فعال قوت ہے جو ہر عمل، ہر جذبات اور ہر خیال کو شکل دیتی ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جو کہانیوں میں روزمرہ کی زندگی کی تفصیلات کے ذریعے سامنے آتی ہے اور ثقافت کا اصل جوہر سمجھا جاتا ہے "

پاکستانی اردو افسانے کی تخلیق میں تہذیبی تشخص کی تلاش کی ایک اہم جہت اس بات میں ہے کہ یہ ادب نہ صرف ماضی کے تجربات کو زندہ کرتا ہے بلکہ ان تجربات کی بنیاد پر مستقبل کی تہذیبی شناخت بھی تشکیل دیتا ہے۔ افسانہ نگاروں نے اپنی تخلیقات میں اس بات کو مدنظر رکھا کہ ادب صرف تخیلاتی عمل نہیں ہے بلکہ یہ ایک سماجی ذمہ داری بھی ہے جس کے ذریعے معاشرتی اور ثقافتی مسائل کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ اس کے ذریعے تہذیبی تشخص کا اظہار اور اس کی جڑت کو مضبوط بنانا ممکن ہوتا ہے۔ اردو افسانہ ایک ایسی تخلیقی صورت ہے جو معاشرتی رویوں، نظریات، اقدار اور ثقافتی رواجوں کو نہ صرف بیان کرتی ہے بلکہ ان میں تبدیلی لانے کا عمل بھی پیش کرتی ہے۔ پاکستانی اردو افسانے میں جو مسائل ابھرتے ہیں، وہ اکثر ملکی حالات، جنگی اثرات، اور معاشرتی فرق کو مرکزی موضوع بناتے ہیں۔ ان کہانیوں میں دکھایا گیا ہے کہ کیسے مختلف حالات، جیسے جنگ، ہجرت، معاشی بدحالی، اور سیاسی بحران، نے پاکستانی عوام کو متاثر کیا۔ اس کے ذریعے افسانہ نگاروں نے قومی تشخص کو برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے، تاکہ اس میں موجود ثقافتی ورثہ اور انسانی اقدار کو جدید دنیا کے تقاضوں کے مطابق ڈھالا جا سکے۔ افسانے نے ہمیشہ ایک نشاندہی کی ہے کہ تہذیبی تشخص صرف ماضی کی روایات میں نہیں بلکہ موجودہ حالات میں بھی اہمیت رکھتا ہے، جو ادب کے ذریعے زندہ رہتا ہے۔

ڈاکٹر نگار عظیم(9) افسانے کی تہذیبی تشریح کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

> " خارجی روایات یا رسموں کی عکاسی نہیں ہوتی؛ بلکہ یہ معاشرتی شعور کی گہری تہوں، اس کی قدروں اور اس کی ارتقا کو دریافت کرنے کا عمل ہے۔ اس عمل میں کہانیاں نہ صرف تاریخی اور سماجی حقیقتوں کو ظاہر کرتی ہیں بلکہ ایک قوم کی روحانی اور فلسفیانہ جوہر کی عکاسی بھی کرتی ہیں، جو عالمی سطح پر اپنے آپ کو متعارف کرانے کی کوشش میں ہے "

سعادت حسن منٹو پاکستانی اردو افسانے کے ایک نمایاں سرخیل ہیں جنہوں نے اپنی تخلیقات میں انسانی جذبات، سماجی حقیقتوں اور تہذیبی پہلوؤں کو بے باک انداز میں پیش کیا۔ اگرچہ وہ حقیقت نگاری کے عادی تھے اور ان کی کہانیاں جنسیت کی حقیقتوں سے بھی جڑی ہوتی تھیں، لیکن ان کے افسانوں میں تہذیبی شعور کی ایک گہری تہہ بھی چھپی ہوئی ہے، جو ان کی تخلیقی جرات کا اشارہ دیتی ہے۔ منٹو کے افسانوں میں انسانی روح کے پیچیدہ پہلو اور سماج کی گہرائیوں میں جا کر زندگی کی حقیقتوں کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ منٹو کے افسانے "ساڑھے تین آنے" میں کریم ملی کافی کی پیالی کا ذکر ایک ایسا علامتی لمحہ ہے جو نہ صرف معاشرتی حقیقتوں کی عکاسی کرتا ہے بلکہ ان میں چھپی تہذیبی اقدار کو بھی اجاگر کرتا ہے۔ اس افسانے میں منٹو نے ایک معمولی چیز کے ذریعے اس دور کے سماجی طبقات اور ان کی زندگی کے تضادات کو پیش کیا ہے۔ اسی طرح "آخری سلیوٹ" میں دریائے کشن گنگا کے کنارے موجود مظفر آباد کو جاتے ہوئے سڑکوں پر گندی گالیوں کی گونج اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ تہذیبی اقدار کس طرح سماج کے مختلف طبقات میں بکھری ہوئی ہیں، اور ان کا آپس میں تصادم کس طرح انسانوں کی زندگیوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔

منٹو کے دیگر افسانوں جیسے "پیرن"، "سرکنڈوں کے پیچھے"، اور "آنکھیں" میں بھی تہذیبی شعور کی جھلک نظر آتی ہے۔ "پیرن" میں مختلف قسم کے لباسوں کا ذکر اور "سرکنڈوں کے پیچھے" میں ہندوستانی کھانوں کے شوقین بلونت سنگھ مجیٹھیا کی تصویر کشی اس بات کا ثبوت ہے کہ منٹو نے اپنے افسانوں میں صرف جنسی اور سماجی حقیقتوں کو نہیں بلکہ ثقافتی پہلوؤں کو بھی گہرائی سے دکھایا۔ "آنکھیں" میں ہسپتال کے ماحول، ایکس رے ڈیپارٹمنٹ، اور دھڑکتا ہوا دل انسانی جذبات اور فزیکل حقیقتوں کی پیچیدگی کو اجاگر کرتا ہے، جو کہ تہذیبی شعور کے زیر اثر ہے۔ "ٹوبہ ٹیک سنگھ" میں پاکستان زندہ باد کی گونج اور مٹی سے محبت کی کہانی دراصل منٹو کی وطن سے محبت اور تہذیبی تعلق کا اظہار کرتی ہے۔ یہاں منٹو نے اپنی تخلیق میں وطن سے وابستہ تہذیبی تشخص اور اس کی مٹی سے عقیدت کا اظہار کیا ہے، جو اس کے افسانوں میں ایک مستقل موضوع ہے۔ اس کہانی میں تہذیبی شعور کی لہریں صاف طور پر دیکھی اور محسوس کی جاسکتی ہیں، جہاں نہ صرف جغرافیائی سرحدوں کی بات کی گئی ہے بلکہ تہذیبی تعلقات اور ان کے اندرونی جھگڑوں کو بھی کھولا گیا ہے۔

اس ضمن میں ابواللیث صدیقی (10) رقمطراز ہیں:

> " کہانی میں مٹی سے محبت اور ثقافتی تشخص کا اظہار منٹو کی ثقافت سے جڑت کو ظاہر کرتا ہے۔ یہاں ثقافت محض ایک پس منظر نہیں بلکہ ایک اہم کردار کے طور پر سامنے آتی ہے جو کہانی کی سمت اور اس کے پیغام کو تشکیل دیتی ہے۔"

غلام عباس کو اردو افسانے کے ان منفرد فنکاروں میں شمار کیا جاتا ہے جنہوں نے کم لکھا مگر ایسا گہرا اور اثر انگیز تخلیقی اظہار کیا کہ وہ کمیت کے مقابلے میں کیفیت کا استعارہ بن گئے۔ ان کی تحریریں اردو افسانے کے اندر تہذیبی شعور، سیاسی آگہی، اور معاشرتی تفہیم کا آئینہ بن کر ابھرتی ہیں۔ ان کے مشہور افسانے "اوور کوٹ" میں پیش کردہ نوجوان کا کردار صرف ایک فیشن ایبل فرد کی جھلک نہیں بلکہ اس وقت کے تہذیبی رویوں، طبقاتی تفاوت، اور خود نمائی کی نفسیات کا پرت در پرت مطالعہ بھی پیش کرتا ہے۔ اس کردار کی باریکی سے تراش خراش، لباس اور انداز سے غلام عباس اس دور کے شہری تہذیبی اظہار کو گرفت میں لاتے ہیں۔ یہ نوجوان محض ایک کردار نہیں، بلکہ ایک علامت ہے اُس تہذیبی تبدیلی کی جس میں فرد ظاہری سجاوٹ کو شخصیت کا محور سمجھنے لگا۔ تہذیب یہاں محض تمدنی روایت کا تسلسل نہیں بلکہ جدید طرزِ زیست، فرد کے داخلی و خارجی رویوں کی ترجمان ہے۔ افسانہ نگار نے جس باریکی سے کردار کے ظاہری پہلوؤں کو چُنا، وہ دراصل اُس تہذیبی فضا کی تفہیم ہے جس میں شناخت کا بحران پنپ رہا تھا۔ افسانہ کتبہ میں غلام عباس ہمیں ایک ایسے معاشرتی منظر نامے میں لے جاتے ہیں جہاں کلرک طبقے کی روزمرہ کی

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL

Vol.8. No.2.2025

زندگی اور ان کے ذہنی، جسمانی، اور جذباتی کرب کو بڑی چابک دستی سے پیش کیا گیا ہے۔ دفتر کے مختلف درجوں کے ملازمین کی مختلف وضع قطع اور چال ڈھال نہ صرف ان کے معاشرتی مقام کی علامت ہے بلکہ تہذیب کے اُس طبقاتی نظام کی بھی نمائندگی کرتی ہے جس میں کردار اپنی شناخت اور حیثیت کی علامتوں کے ذریعے الگ ہوتے ہیں۔ سائیکل سوار کلرک، بیڑی پینے والے بابو، فائلیں اُٹھائے گھروں کی طرف لوٹتے یہ کردار ہمیں تہذیبی ساخت کی ایک ایسی دنیا میں لے جاتے ہیں جہاں نوکری، گھر، اور سماج کی الجھنیں فرد کو مسلسل پیس رہی ہیں۔ مگر غلام عباس کا کمال یہ ہے کہ وہ ان کرداروں کو مظلوم یا جذباتی نہیں بناتے بلکہ تہذیب کے جبر میں پنپتے، سانس لیتے، اور کبھی کبھی چپکے سے مزاح کرتے ان کرداروں کے ذریعے ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ تہذیب کی اصل وہی افراد ہیں جو اپنے اپنے کرداروں کے اندر معاشرتی دُکھ، ذاتی محرومیاں، اور مادی الجھنیں سمیٹ کر اپنی شناخت کا جھنڈا تھامے ہوئے ہیں۔

احمد ندیم قاسمی کے افسانوں کا ایک نمایاں پہلو ان کا دیہی پس منظر سے گہرا تعلق اور اس تعلق کے ذریعے ابھرتی ہوئی تہذیبی معنویت ہے۔ ان کے افسانے نہ صرف گاؤں کی فضاؤں، لہجوں اور معمولات کو پیش کرتے ہیں بلکہ ان میں بسنے والی تہذیب، عقائد، رسوم، اور روایتی رویوں کو تخلیقی انداز میں مجسم کرتے ہیں۔ افسانہ *کپاس کا پھول* میں اذان کی گونج اور واہگرو کی قسم اس امر کا ثبوت ہے کہ قاسمی کے ہاں مذہب محض ایک عقیدہ نہیں بلکہ تہذیب کا حصہ ہے، جو روزمرہ کی گفتگو، رسم و رواج اور معاشرتی رویوں میں رچا بسا ہے۔ *الحمدللہ* میں مولوی ابل کی لباس و زیورات سے مزین شخصیت، دیہی ثقافت کے اس رخ کو پیش کرتی ہے جس میں مادی اشیاء اور ان کے انتخاب سے ایک تہذیبی شناخت وابستہ ہو جاتی ہے۔ قطب نما، نسوار کی ڈبیا، مخملی واسکٹ، تیل کی خوشبو—یہ سب علامات ہیں اس زندگی کی جو اپنی جڑوں سے جڑی ہوئی، خود میں مکمل اور تہذیبی معنویت سے مالا مال ہے۔ *گنڈاسا* کے کرداروں میں تیل، لنگوٹ، ڈھول، اور گپ شپ کی محفلیں صرف تفریح نہیں بلکہ ایک معاشرتی رویہ اور ثقافتی شناخت کا آئینہ ہیں۔ اسی طرح *بابا نور* کی مسجد میں داخلے سے پہلے جوتے اتارنا اور محراب چومنا نہ صرف عقیدت کا مظہر ہے بلکہ ایک صدیوں پرانی تہذیبی روایت کی تسلسل کا عکس ہے۔ قاسمی کے افسانے دیہی زندگی کو صرف دکھاتے نہیں، بلکہ اس کی تہذیب کو تخلیقی شدت سے محسوس کرواتے ہیں۔

انتظار حسین کی افسانہ نگاری اردو ادب میں علامتی افسانے کی ایک منفرد اور بالیدہ جہت ہے، جس میں انہوں نے تخلیقی فکر و شعور کو محض ایک انفرادی اظہاریہ نہیں بلکہ تہذیبی، ثقافتی اور تاریخی شناخت کے دریافت کے وسیلے کے طور پر استعمال کیا ہے۔ ان کے افسانے قاری کو ایک ایسے سفر پر لے جاتے ہیں جہاں ماضی، حال اور مستقبل کی تہذیبی پرتیں ایک دوسرے میں یوں مدغم ہوتی ہیں کہ ان کے مابین حد بندی ممکن نہیں رہتی۔ افسانہ *زرد کتا* میں کتا، لومڑی کا بچہ اور کبوتر جیسے علامات محض جانور نہیں، بلکہ انسانی نفسیات، تہذیبی زوال، اور معاشرتی گراوٹ کی تجسیم ہیں۔ وضو، قلمدان اور کاغذ جیسی اشیاء روحانی اور تہذیبی تطہیر کی علامت بنتی ہیں، جو صرف عبادت نہیں بلکہ علم و فن اور تہذیب کی بقا کی علامت ہیں۔ *ہمسفر* میں لاہور اور داتا دربار کا ذکر پاکستان کی تہذیبی جڑوں اور روحانی مرکزیت کی جانب ایک بامعنی اشارہ ہے۔ یہ شہر سفر کی علامت بن کر تہذیب کی جستجو کا استعارہ بن جاتا ہے۔ *شہر افسوس* میں "زندہ رہا" اور "زندہ ہوں" کی تکرار درحقیقت تہذیب کی اس لافانی خواہش کی نمائندہ ہے جو ہر دور میں بقاء کے لیے کوشاں رہی ہے۔ اس کی تکرار کسی المیے کی بازگشت نہیں بلکہ زندگی کو تھامے رکھنے کا عزم ہے۔ انتظار حسین کا افسانہ *آخری آدمی* ایک ایسا استعارہ ہے جو تہذیبی ارتقاء اور بقا کی اس جدوجہد کو مجسم کرتا ہے جو انسان نے ہر دور میں جاری رکھی ہے۔ اس افسانے میں تہذیبیں صرف ماضی کا قصہ نہیں بلکہ حال کا جبر اور مستقبل کی امید بھی ہیں، جو قاری کو مسلسل سوالوں کی گونج میں رکھتی ہیں۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL

JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL

Vol.8. No.2.2025

بانو قدسیہ کی افسانہ نگاری اردو ادب میں ایک ایسا نمایاں باب ہے جو نہ صرف تخلیقی لطافت اور فنّی مہارت سے مزین ہے بلکہ تہذیبی شعور اور معاشرتی بصیرت کی ایک بھرپور مثال بھی ہے۔ ان کے افسانے محض کرداروں، مکالموں اور واقعات کی ترتیب نہیں بلکہ انسانی معاشرت، رشتوں کی نزاکت، روایات کی معنویت اور تہذیبی شناخت کی جستجو سے تشکیل پاتے ہیں۔ بانو قدسیہ کی تخلیقات میں جو گہرائی اور مٹھاس ہے، وہ اُن کی فکری تربیت، روحانی وابستگی اور معاشرتی مشاہدے کی پیداوار ہے۔ افسانہ "توبہ شکن " میں توبہ کی ٹوٹ پھوٹ اور تھپڑوں کی گونج صرف جذباتی انتشار نہیں بلکہ اخلاقی گراوٹ اور سماجی رویّوں کا ایک تہذیبی تجزیہ ہے۔" یہ رشتہ و پیوند " میں جاری اردو کی کلاس اور دیوانِ غالب پر رکھی انگشتِ شہادت، محض علامتی اشارہ نہیں بلکہ تہذیبی جڑت اور ادبی ورثے کی طرف متوجہ کرنے والی معنویت سے بھرپور علامت ہے۔" ذات کا محاسبہ " میں وطن، دھرتی اور مٹی کی محبت، بیدار تہذیبی حسّیت کی ترجمان ہے، جو محض جغرافیائی سرحدوں سے نہیں بلکہ تہذیبی قدروں سے وابستہ ہے۔

مجموعی طور پر اردو افسانے کی دنیا میں متعدد افسانہ نگار ایسے سامنے آئے جنہوں نے تہذیبی شعور اور ثقافتی تشخص کو اپنی تخلیقات کا مرکزی موضوع بنایا۔ ان افسانوں نے فقط واقعاتی ترتیب کا تسلسل نہیں بلکہ ایک تہذیب کی ترجمانی کرتے ہیں جو ماضی کے تجربات، حال کی الجھنوں اور مستقبل کی امیدوں سے مربوط ہے۔ ممتاز مفتی نے معاشرتی اقدار اور روحانی ارتقاء کے درمیان جھولتے کردار تخلیق کیے، جبکہ عصمت چغتائی نے گھریلو ماحول میں چھپی ہوئی صنفی نابرابری اور طبقاتی رویوں کو تہذیبی سیاق میں پیش کیا۔ رشید امجد اور خالدہ حسین نے علامتوں کے ذریعے جدید انسان کی تہذیبی گمشدگی اور داخلی شکستگی کو بیان کیا۔ علی نواز نے معاشرے کے دھندلائے ہوئے آئینے میں جھانک کر نئی تہذیبی جہتوں کو دریافت کیا۔ ان تمام افسانہ نگاروں کی تحریریں اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ پاکستانی اردو افسانہ صرف ایک ادبی صنف نہیں بلکہ تہذیبی اظہاریے کا ایک بھرپور وسیلہ بھی ہے۔ یوں دیکھا جائے تو پاکستانی اردو افسانہ نگاروں نے اپنے تخلیقی اسلوب، فکری گہرائی اور تہذیبی وابستگی کے ذریعے نہ صرف اردو ادب کو ایک نئی سمت عطا کی بلکہ پاکستانی ثقافت، رسوم و روایات اور قومی تشخص کے تحفظ کا فریضہ بھی سرانجام دیا۔ ان کی تحریریں آج بھی ہمارے تہذیبی شعور کو بیدار رکھنے کا کام کر رہی ہیں۔

حوالہ جات وحواشی

(1) جالبی، ڈاکٹر جمیل (1964ء) *پاکستانی کلچر* (اول ایڈیشن)، کراچی، مشتاق بل ڈپو، ص45۔

(2) Eliot, T. S. (2014). Notes Towards the Definition of Culture. Boston: Houghton Mifflin Harcourt, p. 17.

(3) Gray, Sh. Charles. (1931). Trends of Civilization and Culture. Woodstock: American Book Company, p. 76.

(4) آغا، ڈاکٹر (2009ء) *کلچر کے خدوخال*، لاہور، مجلس ترقی ادب، ص15۔

(5) خاں، رشید حسن (1971ء)، *گزشتہ لکھنو*، دہلی، مکتبہ جامع نئ دہلی، ص13۔

(6) ووڈرف، جیر الڈ (2018ء) *سمپلی گارڈ*، موریس ویل، لُولُو پریس، ص34۔

(7) جالبی، ڈاکٹر جمیل (1986ء). *ادب، کلچر اور مسائل*، کراچی، رائل بک کمپنی، ص14۔

(8) Pacione, Michael. (2013). Urban Geography: A Global Perspective. London: Routledge Publishers, pp. 129, 133.

(9) عظیم، ڈاکٹر نگار (2002ء) *منٹو کا سرمایہ فکر وفن*، دہلی، بزمِ ہم قلم، ص64۔

(10) صدیقی، ابو اللیث (2004ء) حوالہ: ممتاز شیریں، *منٹو: نوری نہ ناری* (صفحہ 168)، کراچی، مکتبہ اسلوب، ص124۔